خطبۂ صدارت

صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (نجیب آباد)

۲۸ اپریل ۱۹۹۴ء

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صدر دینی تعلیمی کونسل یوپی

بار اوّل

۱۴۱۴ھ — ۱۹۹۴ء

کتابت ———— ظہیر احمد کاکوروی
طباعت ———— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر

دینی تعلیمی کونسل، عارف آشیانہ
چوک ۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علی من لا نبیّ بعدہٗ!

حضرات! وقت کے اہم ترین مسئلہ نے ہم کو آپ کو پچھلے کام کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے نقشۂ کار مرتّب کرنے کے لئے جمع کر دیا ہے، وقت کی نزاکت اور کام کی وسعت کا تقاضا ہے کہ رسوم وروایات کی پابندی کے بغیر ہمارا سارا وقت اصل موضوع پر صرف ہو اور مغز کی بات بغیر کسی تمہید وتکلّف کے شروع کر دی جائے۔

حضرات! دو لفظ ہماری زبان اور دینی تحریروں اور تقریروں میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، وہ "فرد" اور "مِلّت" کے الفاظ ہیں، آپ ان کے معنی سمجھتے ہیں، فرد اکائی کا نام ہے، یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ پر فرد اور ایک اکائی ہیں، ان سے مل کر ملّت تیار ہوتی ہے، ملّت اسلامیہ بھی اسی مجموعہ کا نام ہے، مِلّتِ اسلامیہ، مِلّتِ موسویّہ، اور ملّت عیسویہ بھی افراد کے مجموعہ ہی کا نام ہے۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کا قانون قدرت (سُنّتُ اللہ) افراد اور ملّت دونوں کے لئے ہے، فرد کے لئے اللہ تعالےٰ کا یہ انتظام ہے کہ اس نے اپنے قانون کے مطابق اس انسانی جسم میں جان اور روح ڈالی، اس کے بعد پھر اس کی حفاظت

فرمائی، وہ شکمِ مادر سے اس دنیا میں آیا، اللہ تعالیٰ نے جس کے رہنے اور زندہ رکھے جانے کا فیصلہ کیا، اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی، اس میں موسمی اثرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھی، اس کے اندر سمجھ پیدا کی، ہاتھ پاؤں میں طاقت دی، اور اس کو بہت کچھ اختیارات عطا کئے اور صلاحیتیں بخشیں، لیکن اس فرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض کئے، ایک تو یہ کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کرے، موسم کے اثرات سے اپنے جسم کو بچائے، غذائی ضروریات اور سامان خوراک مہیا کرے جس سے جسم و جان کا رشتہ باقی رہے، دشمنوں سے اپنی حفاظت کرے، رہنے کے لئے مکان بنائے، اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھے، اور زندگی کی دوسری ضروریات کی تکمیل کرے، اس میں تعلیم، زراعت، تجارت، صنعتیں، ہنر پیشے، حفاظتِ خود اختیاری کا سامان، دوا علاج اور طب کے فن سے لے کر اپنی اپنی ضرورت اور زمانہ کے مطابق سائنس اور ٹکنالوجی سب علوم و فنون آتے ہیں، اپنی اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق یہ سب کام فرد کو انجام دینے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس فرد کو وجود بخشا، اس کے وجود کے لئے جتنی بنیادی ضرورتیں تھیں، وہ اس نے فرد کو عطا کیں، لیکن اب وہ فارغ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بے دست و پا نہیں چھوڑا ہے، اب آگے اس کا کام یہ ہے کہ اپنے وجود، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے، اسی کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کے تسلسل اور اس کی حفاظت و تعلیم کا سامان مہیا کرے، یہ سب فرد کا کام ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وجود حاصل کرنے کے بعد فرد کی ذمہ داری ختم ہو گئی، اب وہ جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے، اب اس کا کوئی کام نہیں، ہم اور آپ اس قانون کو جانتے ہیں، اور ہزاروں برس سے یہ دنیا اس قانون پر چل رہی ہے، ہم اپنی خوراک بھی مہیا کرتے ہیں، اس کے لئے

ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہزار جتن کرتے ہیں، جاڑے، گرمی اور برسات کے موسم کے مطابق کپڑے استعمال کرتے ہیں، مکان اپنی ضرورت کے مطابق بناتے ہیں، پھر ہم آسائش اور آرام کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، ہم یہی نہیں چاہتے کہ ہمارا وجود باقی رہے، بلکہ ہم یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ راحت و آسائش کے ساتھ ہمارا وجود باقی رہے، اچھا کھائیں، اچھا لباس استعمال کریں، یہ سب فطری تقاضے ہیں، شریعت، عقل، تمدن، معاشرہ، حکومت، قانون، کوئی بھی اس کا مخالف نہیں، بلکہ اس میں اعانت کرنا اور اس کے لئے سہولتیں مہیا کرنا اپنے فرائض میں سمجھتے ہیں، بلکہ ان فرائض و ضروریات زندگی کو راحت و سہولت کے ساتھ پورا کرنے کو فطرت کا تقاضا اور انسان کا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔

حضرات! بالکل یہی معاملہ ملّت کا ہے، ہم فرد کے معاملہ میں جن حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں، ملّت کے معاملہ میں ہم ان کو صاف بھول جاتے ہیں، یہ ہماری زندگی کا عجیب و غریب تضاد ہے کہ ہم فرد کو حق ہی نہیں دیتے بلکہ فرد پر فرض عائد کرتے ہیں، اگر وہ فرد اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو دنیا کے تمام عقلا اور تعلق رکھنے والے انسان اس کو قابلِ ملامت بلکہ ایک حد تک اس کو مجرم بلکہ کسی حد تک خودکشی کا مرتکب سمجھتے ہیں، ایک شخص دنیا میں پیدا ہوگیا، اب وہ فرد جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے، لیکن کوئی اس فرد کی کوتاہی کو معاف نہیں کرتا، حد یہ کہ وہ ماں باپ بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جن کی شفقت ضرب المثل ہے، وہ اپنے فرزند اور جگر گوشہ سے یہ نہیں کہتے کہ اب تم پیدا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت گھر میں آگئی، اب تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ماں باپ بعض اوقات اجنبیت

اور ایسی بیگانگی سے لڑکوں سے مطالبہ کرتے ہیں جیسے ان سے خون کا کوئی رشتہ نہیں کہ مکتب جاکر پڑھو، بلکہ وہ استاد سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو جائز حدود میں اس کی سرزنش کریں، اور اس کو محسوس کرا دیں کہ تعلیم کا حصول ضروری ہے اس کے بغیر وہ نہ گھر میں رہ سکے گا نہ کھا سکے گا، یہ سب کام وہ ماں کرتی ہے، جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی ہستی رحم دل نہیں ہے، ایسی شفیق ماں بھی پڑھنے میں بچوں کی رعایت نہیں کرتی اور صبح کو دل پر پتھر رکھ کر بچے کو اٹھاتی ہے کہ وہ مکتب جاکر پڑھے، اس کو یہ محسوس کراتی ہے کہ ان بچوں میں جو محنت کرتے ہیں اور جو محنت نہیں کرتے فرق ہے، حالانکہ ان سب کی ماں ایک ہے، ہم سب ہزاروں برس سے اس اصول و قانون کو مانتے آتے ہیں، اور دنیا کا سارا نظام اسی پر چل رہا اور زندگی کا پہیہ اسی پر گھوم رہا ہے۔

لیکن آپ ذرا دیانتداری سے سوچئے کہ ہم نے فرد کو جس نظر سے دیکھا اور اس کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے، وہ ہم ملّت کے معاملہ میں کیوں بالکل بھول جاتے ہیں، جس طرح فرد کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، جسم عطا کیا، صلاحیتیں اور توانائیاں بخشیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملّت کو ایمان بخشا، رحمۃ للعالمینؐ جیسا نبی بخشا، آسمانی کتاب عطا فرمائی، ایک مکمل مرتّب اور مدوّن نظامِ شریعت اور نظامِ معاشرت و تمدّن عطا کیا، اسی کے ساتھ نصرتِ الٰہی اور توفیقِ الٰہی بھی شامل ہے، لیکن اب اس کے بعد ملّت کا کام یہ ہے کہ فرد کی طرح اپنے وجود کی حفاظت کرے، جیسے فرد کا یہ کام تھا کہ اپنے جسم کو جلنے نہ دے، اس کو ڈوبنے سے بچائے، اگر کوئی زہر دے تو اس کو نہ کھائے اور اگر لاعلمی اور غفلت میں کھالیا ہے تو اس کے اثر سے بچنے کی امکانی کوشش کرے،

بے پڑھا رہ کر جاہل کا نام سننے نہ پائے، ذلّت اٹھانے نہ پائے، کم کما کر آدھا پیٹ کھانے کی تکلیف نہ اٹھائے، اور اپنے ہم عصروں اور اپنے محلہ والوں کی نگاہ میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا نہ جائے، یہ سب آپ نے فرد کے فرائض تسلیم کئے تھے، بالکل یہی معاملہ ملت کی سطح کے مطابق ہونا چاہیئے، وہ فرد تھا جس کے ختم ہونے یا بھوکے ننگے رہنے اور ذلیل وحقیر ہونے سے یا کم کھانے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں تھا، اس کے ذلیل ہونے سے نسل اور معاشرۂ انسانی اور تہذیب انسانی کے لئے کوئی خطرا پیدا نہیں ہوتا، لیکن یہ ملّت ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا:۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ	اگر تم یہ (کام) نہ کروگے تو ملک میں
فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝	فتنہ برپا ہو جائے گا، اور بڑا فساد
(سورۃ الانفال ۔ ۷۳)	مچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملت کے بہت تھوڑے افراد کے لئے جو مدینہ ہجرت کرکے آئے تھے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے نظامِ "مواخاۃ" (بھائی چارہ) قائم نہ کیا تو زمین میں فتنۂ عظیم اور فساد کبیر برپا ہو گا، انسانیت کا مستقبل تاریک ہو جائیگا، اور اس کی قسمت پھوٹ جائیگی، اگر یہ نظامِ مواخاۃ قائم نہ ہوا تو انسانیت کی قسمت میں ناکامی اور تباہی و بربادی لکھی ہوئی ہے، یہ ان مومنوں سے کہا گیا تھا، جن کی تعداد دو چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

اب یہ نکتہ آپ سمجھ لیجئے کہ ملّت کو جو چیزیں دینے کی تھیں، وہ اللہ تعالیٰ نے پوری فیاضی اور "رب العالمینی" کی پوری صفت کے ساتھ عطا کر دیں، لیکن انسان کے ذمہ جو چیزیں کرنے کی تھیں، وہ اس کے ذمہ ہیں، جیسے فرد کو اللہ تعالیٰ نے معطّل

نہیں کیا، نہ اللہ نے اس کو معاف کیا، نہ اس کو معاشرہ اور خاندان نے معاف کیا، نہ قانون اور ماں باپ نے معاف کیا، اور نہ اس کے ضمیر نے اس کو معاف کیا، اسی طرح ملّت کو معاف کرنے والا کون ہے؟ کس نے ملت کے نام یہ معافی نامہ لکھ دیا ہے کہ خدا نے تم کو جو کچھ دینا تھا دے دیا، اب تم بیٹھو، تمھارے ذمّہ اب کوئی کام نہیں، تم جس طرح چاہو رہو، ملک میں کیسا ہی قانون بنے کیسا ہی نظام تعلیم ہو، وہاں تمھاری شریعت اور عقائد کے لئے کیسے ہی خطرات ہوں، بلکہ ان کو ختم کرنے والے منصوبے ہوں، تمھاری کوئی ذمہ داری نہیں، سب ہم کریں گے، یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین پیغمبر کے ساتھ بھی نہیں کیا، ورنہ مدینہ طیبہ سے ایک ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمیوں کو ساتھ لے کر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یہ بات سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کرچکا، اب ہمارے کرنے کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے دین دیا، ایمان کی دولت دی، آخرت کا یقین دیا، اپنی محبت دی، شریعت دی، نماز روزہ سب کچھ عطا کیا، لیکن اس ملّت کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے اس پیغام کو — جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے — بچانے کی ذمہ داری ملّت کی ہے۔

حضرات! ہندوستان میں ملّت کے تشخّص (IDENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم کو بچائے، بالکل اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملّت کی ہے، ملّت کو ملّت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور ملّت کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے،

آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخّص کو بچانے اور اس کی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں، اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرداً فرداً ایک ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملّت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کرور بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں، جاں فشانیوں، اس کی قوتِ مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہیئے۔

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلّمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) اور "کُلّیت پسندی" (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملّی تشخّص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزء ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیّت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتابؐ اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیئے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیّت ہوتی ہے، اور آپ کا ملّی وجود اس سے

زیادہ خطرہ میں پڑجاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے، کوئی جمہوری حکومت کیسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کردیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کرسکتے ہیں، آپ ثابت کردیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو گھٹن ہو رہی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات وسکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑا ہے، اور یہ محسوس کرلیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا، کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

لیکن یہ سب کام مرصّع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا، اس کے لئے جذباتی حسّی اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا، آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں رہیں، اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس سے مسلمان بچے مسلمان نہ رہنے پائیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذّت و عزّت سے محروم کردیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لئے جلسے، جلوس، تنظیمیں، انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری و آئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز کو منوانے کے لئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدّد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادرانِ وطن کو بھی "تشدُّد" (VIOLENCE) سے روکنا چاہتا ہوں پھر میں آپ کو اس کا مشورہ کیسے دوں گا، لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے چینی کا اظہار کیا جا سکتا ہے، وہ کرنا چاہئے۔

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنّا رہنا ہوگا، آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے، اور وہ کتابیں پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کر دی ہیں، اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی، ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کون سا قانون بن رہا ہے، جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھِر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رُخ رہا، اور یہی لیل و نہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی و تہذیبی ہی نہیں، اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا رونگٹے کھڑے کرنے والا اور وحشتناک نہیں جتنا کہ "ارتداد" کا لفظ، حدیث ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنا کپکپی نہیں پیدا کرتا جتنا کہ ارتداد کا لفظ، حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کر لیا، ان میں سے ایک یہ کہ

"من یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار" (اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا اُسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے

پر وحشت ہوتی ہے) اگر اس طرح حالات باقی رہے، جارحانہ احیاء پرستی (AGRESSIVE REVIVALISM) اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں "ارتداد کا خطرہ ہے"، یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی لیکن دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہہ دی۔

دوسرا راستہ یہ ہے جس کو انجمن تعلیمات دین نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو، باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملّت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملّتوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، ترجمانِ حقیقت اقبالؔ نے صحیح کہا ہے ؂

فطرت افراد سے اِغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا، جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین اور روس اور بلغاریہ ہیں جہاں کروروں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ان کی مسجدیں ہیں، وہاں انھیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن دینی تعلیم دینے اور مذہب اسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں، اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے، اسپین تو آخری درجہ ہے، اقبالؔ کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجدہ ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح بھی نہ بن جائے، میرا یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندرونی کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے۔

—— جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانب قرار دیں گے اور اس کو سچی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے، اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں، شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، بارا تیں نکلتی ہوں، اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں، رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو اور وہ ضلع تین ۳ ہزار گنا ئز ر نہیں رکھ سکتا، اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا، آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسے کی کمی کی بنا پر نہیں کر سکے، آج آپ اس جلسہ سے فیصلہ کر کے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے، اگر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنے اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے، تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا، آپ یہ طے کر لیں گے کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائیگا، دفاتر قائم کئے جائیں گے، تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا، اور دینی تعلیمی کونسل سے برابر رابطہ قائم رہے گا، چٹکی کے نظام کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا، آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مادّی وسائل اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، اور "يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ" (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرمادے گا) کا ظہور ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ اپنی سی کوشش کر گزریں۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی کہتا کہ حضور! کھانے کو نہیں، تو آپ وہ تھوڑا کھانا منگواتے جو موجود ہوتا، پھر اس میں

برکت کے لئے دعا فرماتے، آپ تو وہ نبی تھے کہ اگر ہاتھ اٹھا کر دعا فرما دیتے تو حضرت عیسیٰ ع کی طرح آسمان سے کھانے کا خوان (مائدہ) نازل ہوتا، اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح یہ ہے کہ موجود میں ترقی دی جائے نہ کہ ہمیشہ معدوم کو وجود میں لایا جائے گا، یہی حال حدیبیہ کے موقعہ پر ہوا کہ لوگوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی کہ لشکر ٹھہرا ہوا ہے، آپ نے وہ تھوڑا پانی منگوایا، جو لوگوں کے پاس تھا، اس کے بعد برکت کی دعا فرمائی، اور پانی سب کے لئے کافی ہوگیا، یہی اسلام کی روح اور اس اُمّت کے شایان شان ہے جس کو قیامت تک کے لئے نمونہ اور معیار بنایا گیا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ پہلے پیش کر دیجئے پھر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کیجئے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (سورۃ الفتح۔ ۷) — اور آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں۔

اس طرح اُمت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داری خود ملت کا فرض ہے، قرآن مجید نے صرف فرد کو مخاطب کر کے نہیں فرمایا، ہر "فرد" اور ہر "ملت" کے لئے قانون خداوندی یہی ہے کہ :۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○ (سورۃ النجم۔ ۳۹۔۴۰۔۴۱) — انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائیگی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکانی سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی اور

اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائیگا "ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى ٥"

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے، اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی بھی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظامِ حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہیے، اور یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشو و نما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے، یا نہیں، اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمّل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد واعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن وسنّت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی، اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لے کر نکاح وطلاق، اور وراثت تک کے متعیّن ضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انھیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سیکھا اور برتا۔

حضرات! اس غلط وناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جدّوجہد ہمارا آئینی حق اور وطنی وقومی فرض ہے، اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حبّ الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے، اس نصاب اور اس کے غلط اندیش وکوتاہ نظر مرتّبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے

معمور ہے، ایک ذہنی انتشار واضطراب میں مبتلا کر دیا ہے جو اس ملک کی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مُضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی وخوشحالی میں حارج ہے اس لئے اس کی اصلاح اور اس نقص کا ازالہ وہ سب سے بڑی خدمت ہے، جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی یا اس سے روگردانی مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کارروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں، آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط وتعلق کا انتظام کرنا ہے، اور یہ ذمہ داری، غذا، لباس، دوا علاج، تعلیم اور معاش سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، یہی آیت قرآنی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ — مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم - ۶) — اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر ہے اور یہی حدیث "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے، اور اس سے اس کے ماتحتوں اور حلقۂ اثر کے بارہ میں سوال ہوگا) کے حکم کی تعمیل ہے، اس کے لئے آزاد مکاتب، صباحی وشبینہ مدارس، دینی مجالس، گھر کی تلقین ونگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں، خصوصاً مدارس ومکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری

ہو گیا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء و تحفظ کے لئے کوئی اور تدبیر اتنی مؤثر ہو سکتی ہے، اس سب کے لئے آپ کے قومی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رُخ موڑ دیتی ہے، سلطنتوں کے چراغ گُل کر دیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقعہ دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے باآبرو زندگی کے گزارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم و فساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى	اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر
يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ	نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی
(سورۃ الرعد - ۱۱)	حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا، اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اور ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرالے۔

حضرات! مسائل ومشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے، نہ نوعیت مُعیّن، کوئی بڑے سے بڑا مُبصّر اور مؤرّخ بھی نہ ان کی تعداد بیان کر سکتا ہے، نہ اقسام مُعیّن کر سکتا ہے، لیکن ایک "شاہ کلید" (MASTER KEY) ہوتی ہے، جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے اور ساری رکاوٹوں کو دور کر سکتی ہے، اس کے لئے زمان و مکان کی بھی قید نہیں، اور اسباب و وسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، وہ ہے ملّی عزیمت، اور اجتماعی فیصلہ، اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کرلیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفّظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزّت، ہر خوش حالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے، تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے، اس کے لئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی جس کی اس جمہوری ملک کے اندر اور دستور کے ماتحت گنجائش ہے، اور جو اس ملک کے حقیقت پسندوں پر، اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کردے کہ مسلمانوں کو اپنا دین و ایمان، اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت کسی حریفانہ کشمکش، کسی شر پسندی اور انتشار کے بغیر ہو سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ذاتی مفادات، ذاتی جذبات اور ذاتی وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سی چھوٹی قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شعار، اس کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا، ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ اس کی ورید حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے ملّی عزیمت، اور اجتماعی فیصلہ اور میں اسی کو درد کی آخری دوا سمجھتا ہوں، اور اقبال کے الفاظ میں اپنی گزارش کو

ختم کرتا ہوں ؎

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں